درسِ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترتیب و تسوید: جمیل الرحمٰن / عاکف سعید

گزشتہ سے پیوستہ*

سورۃ محمدؐ کی آیت نمبر ۴ پر ہم اپنی گفتگو ایک حد تک مکمل کر چکے ہیں۔ اب اس آیت سے متعلق ایک اور پہلو پر ہمیں گفتگو کرنی ہے اور ان گمراہ کن نظریات کے جنگل کو صاف کرنا ہے جو یہاں منکرین حجیت حدیث نے اگایا ہے۔ انہوں نے آیت کے اس ٹکڑے سے استدلال کیا ہے کہ ”فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً“ ”پھر (تمہیں اختیار ہے کہ) تم خواہ انہیں (یعنی اسیرانِ حرب کو) بطور احسان (رہا کر دو) یا فدیہ لے کر“۔ ان حضرات کا موقف ہے کہ قرآن نے تو یہی دو شکلیں بیان کی ہیں۔ لہٰذا قتال فی سبیل اللہ کے نتیجے میں پکڑے جانے والے کافروں کو مستقل قیدی یا غلام کیسے بنایا جا سکتا ہے! چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ غلامی کا معاملہ قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ قرآن کے منشا کے خلاف ہے...... ان کے اس پورے موقف کا تانا بانا اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ دو الفاظ پر مشتمل ہے۔ پہلا لفظ ہے ”منّ“ یعنی ”احسان“ اور دوسرا ہے ”فِدَاءً“ یعنی فدیہ.......... لہٰذا ہمیں پہلے ان ہی دو الفاظ پر اپنی توجہ کو مرتکز کرنا ہو گا۔

---

* ربطِ مضمون کے لئے ماہ اپریل کے حکمتِ قرآن میں شائع شدہ درس سورۂ محمد کی قسط ۶ کا مطالعہ فرمائیں

احسان کی مختلف شکلیں

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ مفسّرین نے ”مَنّ“ یعنی احسان کی چار شکلیں بیان کی ہیں..... پہلی شکل تو یہ ہے کہ اسیران حرب کی جان بخشی کر دی جائے۔ ورنہ دستور تو یہی تھا کہ جنگی قیدیوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ اور پھر وہ بد بخت جو اللہ کے رسول کے مقابلے میں میدان میں نکلا ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہو ان کی سزا فی الواقع اس سے کم کیا ہو سکتی تھی۔ کہ ان کی گردنیں اڑا دی جاتیں۔ چنانچہ گردن مارنے کے مقابلے میں احسان کی بلند ترین شکل تو یہ ہے کہ جان بخشی کر دی جائے........ احسان ہی کی دوسری شکل یہ ہے کہ انہیں قید میں رکھا جائے۔ اسی آیت مبارکہ میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں ”فَشُدُّوا الْوَثَاقَ“ ”انہیں خوب مضبوطی سے باندھ کر رکھو“ گردن اڑانے کے مقابلے میں یقیناً یہ بھی ایک درجے کا احسان ہے۔ ہاں اس سطح پر دین کی تعلیم یہ ہے کہ انہیں ایذا نہ دی جائے، بھوکا پیاسا نہ رکھا جائے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد جب تک فدیہ کا معاملہ طے نہیں پا گیا، اسیران بدر کو قید میں رکھا گیا اور اس دوران ان کا پورا پورا خیال رکھا گیا اور انہیں کوئی ایذا اور تکلیف نہیں پہنچائی گئی۔

احسان کی تیسری شکل یہ ہے کہ ان گرفتار شدگان کو غلام کی حیثیت دے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جان سے مار دینے کے مقابلے میں غلام بنا لینا یقیناً احسان ہی کی ایک صورت ہے۔ پھر یہ کہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق دیئے ہیں اور جو مقام (STATUS) عطا کیا ہے اس کا اس سے قبل کوئی تصوّر موجود نہ تھا۔ قبل اسلام معاشرے میں غلاموں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے آقاؤں کو ان کی جانوں پر اسی طرح اختیار حاصل ہوتا تھا جیسے کسی کو اپنی بھیڑ بکری پر ہوتا ہے کہ جب چاہے اسے ذبح کر دے، کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

یہ بات محض ازمنہ قدیم کی نہیں ہے بلکہ انیسویں صدی کے وسط تک یورپ اور امریکہ میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ بلکہ جو کچھ امریکیوں نے اس معاملے میں کیا ہے وہ اس داستان کا تلخ ترین

باب ہے۔ کہ بغیر کسی اعلان جنگ کے، افریقہ کے آزاد لوگوں کو باقاعدہ اس طور سے پکڑ کر لے جاتے تھے جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کو زندہ پکڑتا ہے۔ پھر انہیں بدترین غلامی سے دوچار کیا جاتا تھا۔ اسلام میں اس قسم کی غلامی کی قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ غلامی کی صرف ایک صورت کی اسلام نے اجازت دی ہے اور وہ یہ کہ قتال فی سبیل اللہ کے نتیجے میں کفار و مشرکین کے جو افراد گرفتار کئے جائیں صرف انہیں غلام بنایا جاسکتا ہے۔ غلامی کی ہر دیگر قسم تمام مسلّمہ مسالک فقہ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔ پھر مسلمانوں نے غلاموں کو جو مقام دیا ہے اسے نظر انداز کر دینا سخت ناانصافی ہوگی۔ تاریخ اسلام میں ایک دور وہ بھی آیا کہ مشرق و مغرب میں غلام خاندانوں کی حکومتیں بنیں۔ مصر میں ممالیک کی حکومت ایک عرصے تک قائم رہی اور اسی دور میں خاندان غلاماں ہندوستان پر حکمران رہا۔ پھر ہمارے علماء سلف میں سے کتنے ہی محدثین، فقہاء اور ائمہ مجتہدین ایسے تھے جو غلاموں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ تاریخی شواہد ہیں قصے کہانیاں نہیں ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی ذاتی رائے اور رجحان کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس معاملے کو اس کے صحیح سیاق و سباق میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے لئے اصل ماخذ یقیناً قرآن حکیم ہے۔ لیکن قرآن کے چند الفاظ کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اپنا مفہوم پہنا دینا صریح ظلم ہے۔ پھر دوسرا اہم ماخذ سنت رسولؐ ہے جو درحقیقت قرآن ہی کی تشریح و توضیح ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین کا تعامل ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور پھر تابعین، تبع تابعین، فقہائے مجتہدین رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی منقول آراء ہیں جنہیں نظر انداز کرنا اپنے لئے گمراہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ محض اپنی ذاتی رائے اور رجحان کو بنیاد بنا کر یا دشمنان اسلام کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر متجدّدانہ رویہ اختیار کرنا کسی طور درست نہیں۔

زیر نظر آیت پر غور کیجئے۔ سیاق کلام اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ابھی ان گرفتار شدہ مشرکین کو چھوڑنا خلاف مصلحت ہے۔ چھوڑنے کا معاملہ تو تب زیر غور آسکتا ہے جب جنگ و قتال کا یہ سلسلہ مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ "حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ

"اَوْزَارَهَا" ابھی تو باطل کے ساتھ بھرپور کشمکش جاری ہے۔ اس مرحلے پر اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ باطل کی تقویت کا ذریعہ بن جائیں۔ لہٰذا ابھی انہیں باندھ کر رکھنا ہے۔ ...... اب باندھنے کی ایک شکل تو یہ ممکن ہے کہ انہیں تعذیب خانوں (CONCENTRATION CAMPS) میں رکھا جائے۔ اس نام نہاد متمدن دور میں بھی ان کیمپوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ یہاں انسان مویشیوں کے باڑوں سے بھی بدتر حالت میں زندگی گذارتا ہے۔ لیکن اسلام کی تعلیمات یہی ہیں کہ قیدیوں سے بہتر سلوک روا رکھا جائے...... چنانچہ اسیرانِ بدر جب تک مقید رہے ان کے ساتھ بہتری کا معاملہ کیا گیا...... لیکن اس سے بھی بہتر ایک شکل یہ ہے کہ ان قیدیوں کو اسلامی معاشرے میں جذب کر دیا جائے۔ انہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ گو ان کے لئے عنوان تو غلام ہی کا ہو گا لیکن ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت کا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ مفسّرین نے احسان کی جو چار شکلیں بیان کی ہیں، ان میں تیسری صورت یہی ہے۔ چنانچہ یہ وہ شکل ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اختیار کیا۔ اور ساتھ ہی تفصیلی ہدایات بھی جاری فرما دیں کہ غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا کرو۔ ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ ان پر ان کی استطاعت اور استعداد سے بڑھ کر ذمہ داریوں کا بوجھ نہ ڈالو، وغیرہ۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنا بہت بڑا ثواب اور گناہوں کے کفارے کا ذریعہ قرار دیا۔ کتنے ہی گناہ ایسے ہیں جن کے کفارہ کے طور پر گردن کے چھڑانے یعنی غلام آزاد کرنے کا ذکر ہماری فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ گویا اس طور پر ذہنوں کو تیار کیا گیا کہ بتدریج غلامی کا معاملہ کم سے کم ہوتا چلا جائے۔

احسان کی چوتھی شکل جو بعد میں اختیار کی گئی، یہ ہے کہ ان مفتوحین کو انفرادی غلامی میں نہ دیا جائے بلکہ مسلمانوں کی مجموعی غلامی میں لے لیا جائے۔ مراد یہ ہے کہ ان کو ذمی بنا لیا جائے...... اب ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ ذمی سے مراد کیا ہے!...... اصل معاملہ یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت میں ریاست اسلامی کا مکمل شہری (COMPLETE CITIZEN) جسے تمام حقوق حاصل ہوں، صرف مسلمان ہوتا

ہے۔ غیر مسلم اسلامی ریاست کا مکمل شہری نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم کی دو حالتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ کسی معاہدہ کے تحت کوئی غیر مسلم قوم اسلامی حکومت کی رعایا میں شامل ہو جائے۔ اس کے ساتھ جو بھی معاہدہ ہو گا اس کی شرائط کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ معاہدہ کی ہر شرط پوری کی جائے گی۔ ایسے لوگ معاہد کہلائیں گے انہیں ذمی نہیں کہا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کا ہر غیر مسلم لازماً ذمی نہیں ہوتا۔ ذمی صرف وہ ہوتے ہیں جو قتال فی سبیل اللہ میں شکست کھا کر اطاعت قبول کر لیں۔ انہیں نہ تو اب قیدی بنایا جائے گا اور نہ 'CONCENTRATION CAMPS' میں رکھا جائے گا۔ نہ ہی ان کو فرداً فرداً مسلمانوں میں بحیثیت غلام تقسیم کیا جائے گا۔ بلکہ ان کو اسلامی ریاست کا ایک کمتر درجے کا شہری (SECOND RATE CITIZEN) بنالیا جائے گا۔ ان کے احوال شخصیہ (PERSONAL LAW) میں اسلامی ریاست کوئی مداخلت نہیں کرے گی..... ان کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ، عبادات اور دیگر معاشرتی رسوم ادا کرنے کی مکمل آزادی ہو گی۔ وہ مسلمانوں کی طرح تجارت، صنعت و حرفت کے میدان میں حصہ لے سکیں گے۔ ان کو یہاں تک آزادی ہو گی کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا علیحدہ سے انتظام بھی کر سکیں گے۔ لیکن ملکی قانون کے معاملے میں انہیں شریعت اسلامی کی پابندی کرنی ہو گی۔ نیز ان کو اسلامی ریاست کا کامل وفادار بن کر رہنا ہو گا..... مزید یہ کہ اسلامی ریاست میں وہ کسی ایسے منصب پر فائز نہیں ہو سکیں گے جو اولوالامر کی تعریف میں آتا ہو۔ وہ پالیسی بنانے والے ایوانوں کے رکن نہیں بن سکیں گے۔ ان کی حیثیت وہ ہو گی جو سورہ توبہ میں ان الفاظ میں آئی ہے، جس کا شاید پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ۔

"یُعۡطُوا الۡجِزۡیَةَ عَنۡ یَدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ" "وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں" .... خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے مفسرین و فقہائے مجتہدین رحم اللہ عنہم اجمعین نے "فَاِمَّا مَنًّا بَعۡدُ" کی تفسیر کے ذیل میں احسان کی یہ چار شکلیں بیان کی ہیں۔ ان کو ترتیب وار اپنے ذہن میں بٹھا لیجئے..... پہلی تو یہ ہے کہ قتال فی

سبیل اللہ کے نتیجے میں گرفتار ہونے والے مشرکین کی جان بخشی کر دی جائے...... اس سے بڑا احسان اور کیا ہو گا...... ورنہ قتل کے مستحق و مستوجب تھے۔ وہ اللہ کے دین کے مقابلہ پر آئے، اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں...... دوسری یہ کہ ان کو قید میں رکھو "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ" ان کو خوب مضبوطی سے باندھ کر رکھو۔ غزوہ بدر کے بعد جتنی دیر تک فدیہ کا معاملہ نہیں ہوا، مشرکین کو قید میں رکھا گیا۔ لیکن ان کا پورا پورا خیال رکھا گیا، انہیں کوئی ایذا اور تکلیف نہیں پہنچائی گئی...... تیسری شکل یہ ہے کہ انہیں غلام کی حیثیت دے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور انہیں اسلامی معاشرہ میں جذب کر دیا جائے...... چوتھی یہ کہ انہیں بطور غلام مسلمان معاشرے میں تقسیم تو نہیں کیا جائے گا لیکن وہ بحیثیت مجموعی اسلامی ریاست میں معاہد یا ذمی کی حیثیت سے نسبتاً کمتر درجے کے شہری (SECOND RATE CITIZEN) کے طور پر رہ سکیں گے۔

فدیہ کی مختلف شکلیں

غیر مسلم قیدیوں کی رہائی کی دوسری صورت یہاں "وَاِمَّا فِدَاءً" کے الفاظ میں بیان ہوئی ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ فدیہ کی بھی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان سب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے...... ایک شکل فدیہ کی یہ ہے کہ کوئی رقم معین کر دی گئی کہ قیدی کے اعزہ یا ہم مسلک لوگ وہ رقم ادا کریں تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ رقم ہر شخص کے لئے اس کی حیثیت کے مطابق مقرر کی جاتی تھی۔ اندازہ یہ ہے کہ اس مد میں آج کل کے پاکستانی روپے کے حساب سے ایک ہزار سے چار ہزار کے مساوی رقم کا تعین کیا گیا تھا۔

اس گفتگو کے نتیجہ میں اس وقت دو واقعات یاد آ گئے وہ عرض کئے دیتا ہوں...... حضورؐ کی سب سے بڑی دختر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر ابوالعاصؓ بھی غزوہ بدر کے قیدیوں میں شامل تھے، اور حضورؐ کے چچا حضرت عباس بھی قیدیوں میں تھے، یہ دونوں حضرات اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے...... چونکہ "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ" کا حکم آ چکا تھا

لہٰذا تمام قیدیوں کو خوب جکڑ کر باندھا گیا تھا جس کے باعث رات کو حضرت عباسؓ کراہ رہے تھے۔ حضورؐ تک ان کے کراہنے کی آواز پہنچ گئی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیئے جائیں۔ صرف چچا کے لئے حکم نہیں دیا بلکہ ان کے طفیل تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کرنے کا حکم دیا...... دوسرا واقعہ تو ایسا ہے کہ جب بھی وہ واقعہ سامنے آتا ہے تو کم سے کم میرے لئے آنسو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو العاصؓ کی رہائی کے لئے فدیہ کے طور پر مکہ سے دختر رسولؐ حضرت زینبؓ نے اپنا ہار بھیجا تھا۔ وہ اس وقت تک مکہ ہی میں مقیم تھیں۔ حضورؐ نے جب وہ ہار دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یاد آ گئیں۔ وہ ہار حضرت خدیجہؓ کا تھا۔ انہوں نے بطور ہدیہ اپنا ہار بیٹی کو دیا تھا..... حضرت خدیجہؓ کی رفاقت میں جو وقت گذرا تھا وہ حضورؐ کی ازدواجی زندگی کا خوشگوار ترین دور تھا..... اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے دی تھی۔ حضورؐ کو انؓ سے بڑی محبت تھی اور انؓ کا ذکر اکثر آپؐ کی زبان مبارک پر آ جاتا تھا........ ہار دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ اجازت دو تو مرحومہ ماں کی جو یادگار بیٹی نے اپنے شوہر کے فدیہ میں بھیجی ہے' اسے لوٹا دوں۔ صحابہ کرامؓ کو کیا تامّل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو العاصؓ کو رہا بھی کر دیا گیا اور ہار بھی واپس کر دیا گیا..... تو ایسے جذباتی واقعات بھی سیرت میں رونما ہوئے ہیں..... دوسری شکل حضورؐ نے یہ اختیار کی کہ قیدیوں میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے' حضورؐ نے ان کو پیشکش کی کہ تم میں سے ہر ایک دس دس انصاری بچوں کو ابتدائی لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ اس کے عوض تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ فدیئے کی تیسری ممکن صورت یہ ہے کہ اگر دشمن کی تحویل میں مسلمان قیدی ہیں تو ان سے تبادلہ کر لیا جائے۔

حاصل گفتگو

ساری گفتگو کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آئی کہ "مَنّ" یعنی احسان کی چار اور فدیہ کی تین شکلیں ہیں۔ اور یہ تمام شکلیں "فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً" کے الفاظ میں مضمر ہیں۔ اب اگر کوئی شخص محض لغت کی مدد سے ان الفاظ کے معانی سمجھ کر اپنا قول لگاتا ہے

تو واقعہ یہ ہے کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ کے اصل مفہوم اور ان کے مضمرات و مقدرات کو سمجھتے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضورؐ سے زیادہ ان کو سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے...... ! یہاں ”فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً“ کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن میں تو اسیران جنگ کے لئے صرف دو شکلیں بیان ہوئی ہیں۔ اسیر اور غلام بنانے کا پورے قرآن میں سرے سے کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ یہ رائے اور یہ نتیجہ سراسر گمراہی ہے۔ یہ رائے سنت رسول، تعامل صحابہؓ اور اجماع امت پر خط تنسیخ پھیرنے کی جسارت ہے..... میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے تمام علمائے حق نے اسی آیت سے غلامی کا جواز بھی مستنبط کیا ہے۔ پھر اس کے جواب کے لئے ہمارے پاس سنت رسولؐ، تعامل صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعین نیز ائمہ مجتہدینؒ کا اجماع ہے۔ اور ان سب کے ہوتے ہوئے کوئی اور رائے رکھنا بہت بڑی جسارت ہے۔ یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس موضوع پر نہایت مدلل اور جامع بحث آپ کو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی تفہیم القرآن میں سورہ محمدؐ کی تفسیر میں ملے گی[1]۔ میں آپ حضرات کو مشورہ دوں گا کہ اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

میرے غور و فکر کا حاصل

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مجھے ان مسائل پر غور و تدبر کی جو سعادت نصیب ہوئی ہے اس کے نتیجہ میں میری جو رائے بنی ہے اب میں اسے پیش کر رہا ہوں۔ ”حتی تضع الحرب اوزارھا“ کی تشریح کے ذیل میں، میں عرض کر چکا ہوں کہ اس میں حرب سے مراد صرف ایک لڑائی ______ (BATTLE) نہیں ہے۔ بلکہ 'WAR' (جنگ) ہے یعنی وہ کشاکش اور جنگ مراد ہے جو قریش اور اہل ایمان کے مابین صلح حدیبیہ ۶ھ تک چلتی رہی تھی۔ لیکن خیال رہے کہ یہ صلح بھی جنگ کے مستقل

---

[1] مولانا مرحوم کی اس موضوع پر نہایت مفصل و مدلل بحث ان کے مجموعہ مضامین ”تفہیمات“ حصہ دوم میں بھی ملے گی (مرتب)

خاتمہ کے لئے نہیں تھی بلکہ ایک مدت معینہ اغلباً دس سال کے لئے ہوئی تھی۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ قریش کے معاملہ میں "حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا" کا اطلاق ہوتا ہے فتح مکہ کے بعد......

آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ کے دو ہی سال بعد قریش کی جانب سے معاہدے کی خلاف ورزی کا ظہور ہوا تھا جس کے نتیجہ میں معاہدے کے ٹوٹنے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ بنو بکر نے جو قریش کا حلیف قبیلہ تھا' بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف قبیلہ تھا' صلح حدیبیہ کے دو سال بعد اچانک حملہ کیا اور قتل و غارت گری کی۔ اس حملے میں قریش نے بھی صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درپردہ بنو بکر کا ساتھ دیا...... بنو خزاعہ کے لوگ جب حضورؐ کے پاس فریاد لے کر پہنچے تو آپؐ نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور قریش کے سامنے تین متبادل شکلیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔ دوسری یہ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں تاکہ مسلمان بنو خزاعہ کی دادرسی کرتے ہوئے بنو بکر سے ان کے ظلم کا بدلہ لے لیں...... تیسری یہ کہ اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی بھی منظور نہ ہو تو قریش کی طرف سے اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا...... قریش کے چند جوشیلے لوگوں نے برملا کہہ دیا کہ "ہمیں صرف تیسری شکل منظور ہے"۔ بعد میں قریش پچھتائے کہ یہ فیصلہ قریش کے حق میں مضر ہو گا چنانچہ ان کی طرف سے ابو سفیان جو اس وقت پورے قریش کے سردار تھے مدینہ پہنچے' انہوں نے سرتوڑ کوشش کی کہ صلح کی تجدید ہو جائے۔ لیکن حضورؐ نے دانستہ صرف نظر فرمایا اور تجدید صلح کی حامی نہیں بھری بلکہ خاموشی اختیار کئے رکھی...... اس لئے کہ آپؐ کو خوب اندازہ تھا کہ اب قریش میں کوئی دم خم باقی نہیں رہا۔ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اول تو آنے کی جرأت ہی نہیں کریں گے اگر آئیں گے تو ہزیمت و شکست سے دوچار ہوں گے۔

احسان کا اصل موقع

صلح کے ٹوٹتے ہی حضورؐ نے فوری طور پر اقدام کا فیصلہ فرمایا۔ یہ بات تاریخی غور پر

ہمارے سامنے ہے کہ رمضان المبارک ۸ھ میں دس ہزار قدوسیوں کے لشکر کے ساتھ حضورؐ مکہ تشریف لائے اور کسی خون ریزی کے بغیر مکہ فتح ہو گیا۔ صرف ایک معمولی جھڑپ مسلمانوں کے اس دستہ کے ساتھ قریش کے چند نوجوانوں کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے ہوئی، جس کے سپہ سالار حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس کے نتیجہ میں تین مسلمان شہید ہوئے اور تیرہ مشرکین قتل ہوئے...... بہرحال قریش کے ساتھ ' **WAR** ' یعنی حرب کے مکمل خاتمے کا معاملہ فتح مکہ کے بعد ہوا...... گویا کہ 'اثخان' یعنی کفار کی قوت کو مکمل طور پر کچلنے کا معاملہ دراصل فتح مکہ کے بعد آنے والا تھا۔ لیکن چونکہ ایک تو قریش کی طرف سے مزاحمت ہی نہیں ہوئی۔ اور دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رءوف و رحیم اور رحمۃ للعلمین ہونے کی جو شانیں عطا فرمائی تھیں تو ان کا کامل ظہور فتح مکہ کے موقع پر ہوا...... غور کیجئے کہ جباران قریش مفتوحین کی حیثیت سے حضورؐ کے سامنے جمع ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے مکہ کی زمین پر اہل ایمان کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ جنہوں نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ وہ بھی ہیں جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے، ...... جنہوں نے حضورؐ کو گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جنہوں نے حضورؐ کو ہجرت کے بعد سے صلح حدیبیہ تک ایک دن بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ لیکن حضورؐ نے ان جباران قریش سے اتنا ہی فرمایا کہ "میں آج تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے کہا تھا کہ۔ "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" "آج کے دن تم پر کوئی ملامت، نہیں ہے" .... اور فرمایا "اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" "جاؤ تم سب آزاد ہو" ...... ورنہ حضورؐ ان میں سے جس کی چاہتے گردن مار سکتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحیمی، شان رافت اور شان عفو کے ظہور کا یہ موقع تھا..... یہ تھا صحیح محل فَاِمَّا مَنًّا کے اظہار کا۔ چونکہ قریش کی حد تک فتح مکہ کے بعد حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا" کی تکمیل ہو گئی تھی۔

غزوۂ حنین کے اسیروں کا معاملہ

قریش مکہ کی حد تک تو حرب ‘WAR’ کا اختتام فتح مکہ کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ لیکن مکہ کے گرد و نواح میں ہوازن اور ثقیف کے جو طاقت ور قبیلے آباد تھے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کر دیا جائے، لہٰذا وہ بڑی تیاریوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کے لئے نکلے۔ حضورؐ کو برابر اطلاعات مل رہی تھیں۔ حضورؐ بارہ ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ حنین اور اوطاس کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ اس موقع پر ابتداءً مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ بے شمار مال و اسباب غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مزید بر آں چھ ہزار کے لگ بھگ افراد جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے اسیر ہوئے..... حضورؐ نے قیدیوں اور مال غنیمت کو جعرانہ کے مقام پر چھوڑا اور طائف کے محاصرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ محاصرہ نے طول پکڑا تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور یہ دعا فرما کر محاصرہ اٹھا دیا کہ "اے اللہ! تو ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس بھیج دے۔" حضورؐ کی دعا قبول ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد پورے قبیلہ نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا.....

طائف سے محاصرہ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت اور اسیران حنین کی تقسیم کے لئے جعرانہ واپس تشریف لائے اور آپؐ نے پہلے تو مال و اسباب غنیمت تقسیم فرمایا۔ اسیران کی تقسیم کا کام ابھی باقی تھا کہ ہوازن اور ثقیف کی ایک سفارت نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ان اسیران جنگ میں جو عورتیں ہیں ان ہی میں تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں تم نے ہمارے قبیلہ کا دودھ پیا ہے۔ (اشارہ تھا حضرت حلیمہ سعدیہ کی طرف جو بنو ہوازن سے تھیں) لہٰذا ہمارے قبیلہ والے تمہارے رشتہ دار ہیں۔ کیا تم ان کو غلام اور لونڈیاں بنا کر اپنے لشکر میں تقسیم کر دو گے! خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بھی ہم کچھ امید رکھتے لیکن تم سے تو ہماری کہیں زیادہ توقعات ہیں"..... نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ " میرے اپنے خاندان یعنی خاندان عبد المطلب کا جو بھی حصہ ہو گا، وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد مجمع میں اپنی یہ درخواست پیش کرو۔ " چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور نے وہاں بھی یہی جواب دیا کہ " مجھے صرف اپنے خاندان کے حصہ کا اختیار ہے، وہ آزاد ہے " اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ " میں تمام مسلمانوں سے بھی ان اسیران جنگ کی رہائی کی سفارش کرتا ہوں " ...... مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین بیک زبان پکار اٹھے کہ " ہمارا حصہ بھی حاضر ہے " ...... چنانچہ اس طرح وہ چھ ہزار اسیران جنگ جو بحیثیت غلام و لونڈی مجاہدین میں تقسیم ہونے والے تھے دفعۃً سب کے سب آزاد ہو گئے۔ بعد ازاں جلد ہی ہوازن کا قبیلہ بھی صدق دل سے ایمان لے آیا۔ ثقیف کے قبیلہ کے ایمان لانے کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

ایک اہم سوال !

میں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اسیران غزوہ حنین کی رہائی کا یہ واقعہ صحیح ترین اسناد کے ساتھ متعدد مستند کتب احادیث میں موجود ہے۔ اسی طرح اس کا ذکر سیرت النبیؐ کی جملہ قدیم مستند کتابوں میں ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ منکرین سنت و حدیث اپنے باطل موقف کی مدافعت میں سیرت کے کس کس واقعے کو جھٹلائیں گے! یہ واقعہ ۸ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ جبکہ سورہ محمدؐ کا زمانہ نزول جمہور علماء کے نزدیک غزوہ بدر سے پہلے ہے یعنی ۲ھ کے قریباً اوائل میں .... اگر ان منکرین سنت کا موقف صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ اسلام میں غلامی کا ادارہ (INSTITUTION OF SLAVERY) سرے سے موجود ہی نہیں اور اسیران جنگ کے لئے قرآن کی ہدایات صرف یہ ہیں کہ " فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً " ان کو بطور احسان چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو " ...... تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خاکم بدھن کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں جو اسیر بنائے تھے اور ان کو مجاہدین میں بطور لونڈی غلام تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو حضورؐ قرآن مجید کی ہدایت اس کے مدعا اور اس کے منشاء کے خلاف عمل کرنے والے تھے!

العیاذ باللّٰہ! جب انسان شعوری طور پر زیغ و ضلالت کی راہ پر چل پڑتا ہے تو اس کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے اور اس سے ایسی ہی حماقتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسی ان منکرین حدیث سے ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ لوگ نہ جانے محض اپنی انشاپردازی کے زور پر کتنی مخلوق کو گمراہ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے فتنوں سے محفوظ و مامون رکھے [1]

جزیرہ نمائے عرب میں جنگ کا خاتمہ

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ غزوہ بدر کی شکل میں جس سلسلۂ قتال و حرب کا آغاز ہوا تھا' قریش مکہ کی حد تک اس کا اختتام فتح مکہ پر ہو گیا اور پھر غزوۂ حنین کے بعد بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے قبول اسلام کے نتیجے میں اندرون ملک عرب یہ سلسلۂ قتال اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور پورے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام دین کی حیثیت سے غالب ہو گیا گویا جزیرہ نمائے عرب کی حد تک "حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا" کا معاملہ پورا ہو گیا۔

لیکن اور یہ "لیکن" بہت اہم ہے...... خاتم النّبیین' سید المرسلین جناب محمد صلی اللہ

---

[1] سیرت النبیؐ کی تمام مستند کتب اور صحیح کتب احادیث میں غزوہ بنو المصطلق کا واقعہ مذکور ہے۔ اس غزوہ میں چھ سو اسیران جنگ کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس قبیلہ کی ایک خاتون جویریہ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔ حضورؐ نے رقم ادا کر کے انہیں خرید لیا اور پھر آزاد کر دیا۔ پھر آپؐ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا جو انہوں نے قبول کر لیا اور مسلمان ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں اور ام المومنین قرار پائیں۔ جب اس غزوہ میں شریک مجاہدین کو اس نکاح کا حال معلوم ہوا تو سب نے اپنے اپنے حصہ کے لونڈی غلام فوراً آزاد کر دیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار قبیلہ کے افراد کیسے غلام رہ سکتے ہیں! یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں واقع ہوا تھا۔ یعنی سورہ محمدؐ کے نزول کے قریباً تین سال بعد کاش! ان منکرین سنت کو اللہ صحیح راہ کی ہدایت و توفیق عطا فرمائے...... ان کا سارا یہ استدلال کہ اسلام میں اسیری اور غلامی کا کوئی تصور ہی موجود نہیں ہے' ان واقعات کی روشنی میں ریت کی دیوار سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا (ج ر)

علیہ وسلم کی بعثت صرف اہل عرب کے لئے نہیں تھی۔ کسی خاص زمان ومکان کے لئے نہیں تھی۔ آپ کا دور رسالت تو قیامت تک جاری ہے۔ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا“ ”اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام نوع انسانی کے لئے بشیر ونذیر بنا کر“ ابھی تک تو جزیرہ نمائے عرب تک انقلاب محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ہوئی ہے ابھی تو بقیہ پوری دنیا تک دعوتِ توحید کو پہنچانا اور دین الحق کو غالب کرنا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

بیرونِ عرب سلسلۂ قتال وحرب کا آغاز

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو ان تمام مزاحم قوتوں کا سر کچلا جو اندرون عرب انقلاب محمدیؐ کی تکمیل کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی تھیں۔ ان پر قابو پانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بیرون ملک عرب انقلاب محمدی کی توسیع کی طرف توجہ دی اور قتال فی سبیل اللہ کا دائرہ فارس اور روم کی سلطنتوں تک بڑھا دیا۔ اور کل بیس سال یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی آٹھ سالوں تک ایک طرف ایران، عراق، شام فلسطین اور مصر سے لے کر مراکش تک اللہ کا دین غالب ہو گیا اور دوسری طرف ماوراء النہر کے علاقے میں یعنی بخارا، تاشقند، سمرقند حتیٰ کہ مکران تک اللہ کے دین کا جھنڈا بلند ہو گیا۔ وہ تو یہودی سازشوں اور مجوسی ریشہ دوانیوں نے غلط فہمیاں پیدا کر کے داخلی اور اندرونی طور پر مسلمانوں کی قوت کو تقسیم کر دیا خانہ جنگی شروع کرا دی ورنہ کیفیت بقول علامہ اقبال یہ تھی کہ ع

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا۔

رسالتِ محمدّی کا دَور جاری ہے

جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ حضورؐ ہی کا دور رسالت جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا پوری دنیا میں دین اسی طرح غالب ہو چکا ہے جیسے دور خلافت راشدہ میں دنیا کے ایک خاصے قابل ذکر حصے پر غالب و نافذ ہو گیا تھا اور کیا دنیا میں کفر کی طاقت کچلی جا چکی ہے! کیا باطل سرنگوں ہو چکا ہے؟ کوئی ہوش مند مسلمان اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا۔ ابھی تو یہ جنگ جاری ہے۔

غلامی کا ادارہ کیوں ختم نہیں ہوا! اب اس کی حکمت بھی جان لیجئے!...... یہ بات متبعین غلام احمد پرویز کی سمجھ میں شاید نہ آ سکے...... لیکن اہل دانش کے غور و فکر کے لئے اسے بیان کر رہا ہوں...... جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت بکمال و تمام اس وقت پورا ہو گا جب پورے کرہ ارض پر اللہ کے دین کا جھنڈا بلند ہو جائے گا۔ اور حضورؐ اس کی بشارت دے کر اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قیامت سے پہلے وہ وقت آ کر رہے گا کہ پوری دنیا پر اللہ کا دین غالب ہو گا اور تمام باطل ادیان مغلوب ہو کر رہیں گے۔ لیکن جب تک یہ صورت نہیں ہوتی امت محمدیؐ بالقوہ حالت جنگ میں ہے

ابھی یہ جنگ جاری ہے ختم کہاں ہوئی! یہ دوسری بات ہے کہ امت کی عظیم اکثریت اس ذمہ داری سے غافل ہے۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اسے بحیثیت امت کس کام کے لئے برپا کیا گیا تھا! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے کاندھوں پر کس ذمہ داری کا بوجھ رکھا تھا! لیکن افسوس یہی ہے کہ ؏

"کارواں کے دِل سے احساس زیاں جاتا رہا۔"

مجھے بے اختیار وہ الفاظ یاد آ گئے جو حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے غزوۂ احزاب کے بعد اس وقت فرمائے تھے جب آپؐ ہتھیار کھول رہے تھے کہ حضورؐ! آپ نے ہتھیار کھول دیئے؟

ہم نے تو ابھی ہتھیار باندھے ہوئے ہیں اس لئے کہ آپؐ کو اسی وقت یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی غداری کی سزا دینے کے لئے اقدام فرمانا ہے اور ہمیں اہلِ ایمان کی مدد کرنی ہے ۔ اس پر آپؐ نے اہلِ ایمان کے لشکر کو حکم دیا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولے جائیں اور پھر آپؐ نے بنو قریظہ کی گڑھیوں کی طرف کوچ فرمایا ۔

بہرحال جس طرح حضرت جبرئیلؑ نے ہتھیار نہیں کھولے تھے اسی طرح کوئی مسلمان جو واقعتہً امّتی ہے جنابِ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ کیسے ہتھیار کھول سکتا ہے جب تک کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے !! ہر امّتی کفر کے خلاف محاذِ جنگ پر ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ حقیقی ایمان ویقین کی دولت ہمارے پاس نہ رہی ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم خود دنیا کے پجاری بن گئے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم خود باطل سے مغلوب و مرعوب ہیں ۔ ہمارے اندر جذبہ نہیں ہے ، ہمّت نہیں ہے ، حوصلہ نہیں ہے ۔ ہمیں دین کے فرائض کا شعور ہی حاصل نہیں ہے ۔ ہم صرف نماز ، روزہ ، زکوٰۃ اور حج ہی کو فرائضِ دینی سمجھ بیٹھے ہیں ۔ ہمارے سامنے دین کا انقلابی اور حرکی تصوّر ہے ہی نہیں ! اِلّاَ مَاشَاءَ اللّٰہ ۔

اس پوری بحث کو ذہن میں رکھیں تو آپ بھی اسی نتیجے تک پہنچیں گے کہ ۔

جب تک پورے کرہ ارض پر اللہ کا دین غالب نہیں ہو جاتا ، اس وقت تک جنگ و قتال کا سلسلہ جاری رہے گا [ہ] اور جب تک جنگ جاری ہے "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ" کا قرآنی حکم برقرار رہے گا ۔

یہ بات اس سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جب تک جنگ مکمل طور پر ختم نہیں ہو جاتی اور "حتیٰ تضع الحرب اوزارھا" کا معاملہ مکمل نہیں ہو جاتا قرآن کا حکم یہی ہے کہ قیدیوں کو مضبوطی سے باندھے رکھو ۔ اور ظاہر بات ہے کہ مضبوطی سے باندھنے کی صورت تو یہی ہے کہ یا انہیں پسِ دیوارِ زنداں رکھا جائے اور یا پھر غلام کی حیثیت دے کر معاشرے میں تقسیم کر دیا جائے ۔ ہاں سلسلہ جنگ کے خاتمے پر انہیں بطور احسان بھی رہا کیا جا سکتا ہے اور فدیّے کے عوض بھی انہیں رہائی دی جا سکتی ہے ....

باقی صفحہ ۱۰۳ پر

[ہ] سورہ انفال کی یہ آیت اس مضمون کے بیان میں انتہائی جامع ہے "وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنہ و یکون الدین للہ للّٰہ"